دلائل و معجزات اور عقلیات جدیدہ

نوشتہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاد فلسفہ جدیدہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

﴿ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴾

جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے آیات ونذر بے کار ہیں۔

لیکن

دردل ہر کس کہ دانش رامزہ است روئے وآواز پیمبر معجزہ است (عارف رومؒ)

متکلمین وحکمائے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ گذشتہ مباحث میں نظر سے گذر چکا ہے۔ سیرت کے اس حصہ کو اصلاً معجزات نبوی کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث ایک حد تک آ گئے ہیں۔ ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلائے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے اور جدید تحقیقات وخیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں ان کو پیش کرنا ہے۔ آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو۔

مفہوم نبوت:

جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانون قدرت ہے اسی طرح یہ بھی ایک سنت الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت وگمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت ورہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے اور اگرچہ جس طرح ظلمت شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں اسی طرح عام مصلحین ومجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالت انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے اور کرۂ ارض دفعۃً بقعہ نور بن جاتا ہے۔

سلسلہ مصلحین کے اسی آفتاب ہدایت کے نام ادیان وشرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر یا رسول ہے عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل وبصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نور ہدایت اُبلتا ہے اس کا سرچشمہ وہ ''نور السمٰوت و الارض'' ہوتا ہے جس سے عام مادی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں۔ پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے اس کے احوال وکوائف سے ہم ناآشنا اور اس کے عقل وحواس سے بیگانہ ہوتے ہیں مختصراً یوں سمجھو کہ پیغمبرانہ خصائص کی اصلی روح عالم ناسوت سے ماورا کسی عالم غیب کے ساتھ تعلق وربط ہے انسان اسی عالم اسرار وغیوب کو اپنی محدود تعبیر میں عالم قدس، عالم روح، عالم مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ:

حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا مجسم وجود ہوتا ہے تاہم بہ اقتضائے ''لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي'' یا بلحاظ اتمام حجت

اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے باہر نظر آتے ہیں اور ان کی توجیہ وتعلیل سے انسانی عقل اپنے کو درماندہ پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہوگئی حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدھا بن گیا حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے آنحضرت ﷺ نے چشم زدن میں ''مسجد حرام'' سے لے کر ''مسجد اقصیٰ وسدرۃ المنتہیٰ'' تک کی سیر کر لی ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے اس لئے ان میں ایک طرح کا غیب نظر آتا ہے اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی وآیات یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے۔ محدثین ان کو ''دلائل نبوت'' سے تعبیر کرتے ہیں اور حکماء اور متکلمین کی اصطلاح میں انہی کو معجزات کہا جاتا ہے۔

ترتیب مباحث:

معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدماء نے علل خفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقتاً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے مگر حکمت وفلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہوگئی ہے۔ نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقین وقوع کے لئے عام واقعات تاریخی کے درجہ کی شہادت کافی نہیں خیال کی جاتی۔

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین واذعان ہونا یا نہ ہونا ہے اس لئے امکان وشہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت واسباب کا ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین ومتاخرین میں سے جہاں تک علم ہے کسی کا بھی ذہن نہیں گیا۔ صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمہ سخن ہے

بہر کیف اس خاکہ کی بناء پر ترتیب مباحث یہ ہوگی۔

۱۔ امکان معجزات ۲۔ شہادت معجزات ۳۔ استبعاد معجزات ۴۔ یقین معجزات ۵۔ غایت معجزات

امکانِ معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم[۱] نے جو چند اوراق لکھے تھے وہ سارے طومار پر بھاری ہیں اور گو فلسفیانہ نقطہ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی تاہم وقوع معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے وہ بھی یہی ہے یہی وجہ ہے کہ ان اوراق پر کم وبیش دو صدیاں گذر جانے پر بھی موافق ومخالف دونوں کے قلم کی روشنائی انہی کے نقوش مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے۔

---

[۱] Human understanding. ''فہم انسانی'' (باب بحث معجزات)

ہیوم کا استدلال:

ہیوم کے استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ

(ا) انسان کے علم ویقین کا مدار تمام تر تجربہ پر ہے جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے اسی طرح تجربہ ہی کی بناء پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے۔

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گذشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ہونی چاہئے۔

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری وفاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچہ رہ گیا ہے، کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آ کر کہتا ہے کہ وہ بیچارہ بڈھا فقیر رات کو مر گیا۔ تم کو اس کے بیان کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا، تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس وپیش کرو گے، تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ ”میں نے اس پیر فرتوت پوست و استخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے“ اب تم اپنے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوگا، کیوں؟

صرف اس لئے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گذشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی۔ اسی بناء پر اس کو خلاف فطرت یا خارق عادت قرار دیا جاتا ہے جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرین قیاس ہے کہ راوی کو دھوکا ہوا یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرق عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن وقابل قبول ہے۔

(۳) معجزہ اسی صنف کے عدیم الوقوع یا قانون فطرت کے خارق واقعہ سے عبارت ہوتا ہے ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا اس لئے کہ اگر یہ محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولت مند ہو جانا تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لئے عام انسانی زندگی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آ سکتا ہے بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو۔ اس لئے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے۔

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہئے۔

''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں اس لئے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں' سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا' آگ لکڑی کو جلاتی ہے اور پانی سے بجھ جاتی ہے' صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب انکا توڑنا بغیر قوانین فطرت کے توڑے یا بالفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے۔ جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی' مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست وتوانا ہے' اچانک مرجائے کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتاً قلیل الوقوع سہی لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے' البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہوجائے کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے اس کے خلاف تجربہ کا مستمر ومتواتر ہوجانا ضروری ہے ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے نہ موسوم ہوگا اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے تو گویا معجزہ کے نفس حقیقت و ماہیت میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی وبراہ راست ثبوت موجود ہے اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے اور نہ خود باطل کیا جاسکتا ہے جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے''۔ لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے (جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے) کہ کوئی تصدیق وشہادت معجزہ کے اثبات کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو' جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا۔ جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی۔ فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہوگیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کررہا ہے صحیح ہو۔ میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے اسی کے حق میں فیصلہ کردیتا ہوں اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بے شک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہوجانا پڑے گا لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے۔ (فہم انسانی' باب معجزات)

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارق عادت واقعہ کی شہادت وروایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر ومتواتر تجربہ کو تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت چاہے کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہوتا، ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت بھی معجزہ کے یقین واثبات کے لئے کافی نہیں ہوسکتی۔

حضرت موسٰیؑ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انہوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی' ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن ومنکر ہوگا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو تو نظر آتا ہے کہ قبول معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور

ہمیشہ کے لئے برباد کر دیا ہے جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے۔ چراغ کے تلے اندھیرا۔ آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے اور خود نہیں دیکھ سکتا۔

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قویٰ و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے۔ چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لئے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے۔ ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو بغیر اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضرور ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ انار کے درخت سے آم کا پھل یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

غور کرو جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اس کے باور کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے؟ اس لئے کہ آگ جب تک آگ ہے جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہو سکتا، اس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں اژدھا ایک جاندار مخلوق ہے جو تولید مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے اس لئے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا کیونکر اژدھا بن گیا انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عمل توالد و تناسل کا نتیجہ ہوتا ہے پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے؟ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لئے بھی آدمی کو اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر اس کے قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے بلا معمولی وسائل مادی کے استعمال کے طرفۃ العین میں "مسجد حرام" سے "مسجد اقصیٰ" اور "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہو سکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی ہو اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلہ علل و اسباب اور اشیاء کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام حکماء اور فلاسفہ کی اصطلاح میں قوانین فطرت ہے جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے مثلاً کشش ثقل ایک قانون فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کے ہمیشہ نیچے آئے گا، فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے ہائیڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا۔

قوانینِ فطرت کی حقیقت:

اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانین فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اس قدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے؟ اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل اور مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے۔ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ

کل سے چھوٹا ہوا اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جن کی بناء پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے؟ صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بناء پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے۔ سنکھیا زہر ہے جس کے کھانے سے آدمی مرجاتا ہے۔ سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو۔ جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف ہے اس کو تم باآسانی کھلا سکتے ہو، کیوں؟ صرف اس لئے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اس زہر قاتل یا علت موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے بیسویں صدی کے سائنس داں کے لئے یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزاء یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا ڈھائی ہزار سال تک حکماء اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈش [1] کے سامنے تھی وہی طالیس ملطی [2] کے سامنے بھی تھی۔ سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب ''نظام منطق [3]'' میں اس کی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ:

''آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یکسانی پر مبنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں؛ اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ کو اس فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں [4] مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے لیکن اس تجربہ کے لئے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے دو براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقتاً کوئی وجود نہ تھا''

کائناتِ فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانین فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں اور تمام ہنس سفید۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا کہ فرض کرو کہ

''افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلہ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی۔ یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے جو سب مقفل ہیں اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں۔ بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی

---

[1] جس نے پانی کو بسیط عنصر کے بجائے آکسیجن و ہائیڈ روجن سے مرکب ثابت کیا۔

[2] یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔

[3] سسٹم آف لاجک کتاب سوم باب ۳ فصل دوم۔

[4] وسط افریقہ کے آدمی کالے اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

ہیں جن سے اِدھر اُدھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں لہٰذا کیا اس بناء پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کر دیں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں۔[۱]

قوانین فطرت یا خواص اشیاء و علاقہ تعلیل (علت ومعلول) کی مذکورہ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) وفلسفہ دونوں کے مسلمات میں داخل ہے لیکن اس حقیقت کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا وہ **معجزات کا** منکر ہیوم ہی تھا اس لئے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرق عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے اس کے عدم امکان کا کیا وزن ہے؟

''جب[۲] ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا کوئی امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے بس حواس ظاہری سے جو کچھ نظر آتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے۔ اشیاء میں اس تقدم وتاخیر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ارتسام باطنی نہیں حاصل ہوتا۔

''کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ ومعلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے''۔

''حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کی صفات محسوسہ کی بناء پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ اس سے کوئی اور دوسری شے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہے، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جس کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے۔ موجودات عالم میں ہر آن تغیر وتبدل جاری ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے لیکن وہ قوت وطاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی۔ ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہے لیکن ان دونوں (گرمی وشعلہ) میں کیا لزوم ہے؟ اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے''۔

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک اور طویل عبارت[۳] کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔

''عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات وافعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آ جانا، درختوں کی بالیدگی، حیوانات میں توالد وتناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے

---

[۱] مل کی ''منطق''، کتاب سوم، باب ۳، فصل ۲، حاشیہ ۴۔

[۲] فہم انسانی باب ۷ فصل۔

[۳] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱۔

واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم واحساس ہے جس کی بناء پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے اور اس لئے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں' بات یہ ہے کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان رجحان پیدا ہوجاتا ہے کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہوجاتا ہے جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہے اور یہ مشکل سے ممکن معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہوسکتا تھا' صرف اس صورت میں جب کہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں مثلاً زلزلہ' وبا یا کوئی اور عجیب وغریب بات' تو البتہ ان کی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا اور سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی توجیہ وتشریح کیسے کی جائے؟ اس مشکل میں پڑ کر لوگ علی العموم کسی ان دیکھی صاحب عقل وارادہ ذات کے قائل ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی۔ پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعات عالم کا مبداا اسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی وبراہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہوتا ہے۔ بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کردیتا ہے اور یہ ارادہ ان ، عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لئے مقرر کردیئے ہیں''۔

جب یہ مسلّم ہو چکا کہ قوانینِ فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے اور تجربہ کے ناقابل خطا ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جاسکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شے کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جاسکتا ہے چنانچہ خود ہیوم کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہوسکتی اور جو شے مستلزمِ تناقض نہ ہو اس کو کسی حجت وبرہان یا عقلی دلیل سے غلط ثابت نہیں کیا جاسکتا۔[1]

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (Scientist) ہے اور جس کی جگہ حکماء کی صفِ اول میں ہے، اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کرکے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے۔ خود ہیوم کے نظریہ معجزات پر بحث کرتے ہوئے [2] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی تعریف کی تغلیط کی ہے کہ ''وہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا'' اور بتلایا ہے کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز واقعات'' [3] کے ہوسکتے ہیں' پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورہ بالا قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ

''لیکن معجزہ کا تصور کیا جاسکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعویٰ کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جاسکتا۔ بایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ ''مردہ کا زندہ ہوجانا معجزہ ہے کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے''۔

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہے کہ اگر ہیوم کے استدلال کی

---

[1] فہم انسانی باب ۴۔

[2] ہکسلے کی کتاب ''ہیوم'' باب ۷ (متعلق معجزات)۔

[3] ہکسلے انگریزی میں معجزہ کے لئے جو لفظ مستعمل ہے (مریکل) اس کے لفظی معنی بھی ''حیرت انگیز'' کے ہیں۔

مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آئندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقعہ ہو سکتی۔

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون ''ممکنات و ناممکنات'' ہے اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے کہ [۱]

''صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو ''ناممکن'' کہنا حق بجانب ہے۔ منطقی ناممکنات کا وجود ہے لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں۔ ''مربع مردور' ماضی موجود' دو متوازی خطوط کا تقاطع'' یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں اس لئے کہ ''مدور موجود یا حاضر اور تقاطع کا تصور ہی ''مربع'' ماضی اور متوازی کے تصور کے متناقض ہے' لیکن پانی پر چلنا یا پانی کو شراب بنا دینا' بچہ کے بے باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا' یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔ ہاں اگر یہ دعویٰ کر سکتے کہ فطرت اشیاء کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں اس لئے یہ افعال اس کے لئے ''ناممکن'' ہیں لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا؟ ابھی تک ہم اس کی ابتداء اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکنات فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے اس کا ہم کو علم ہے باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں جس کی بنیاد کم و بیش گذشتہ تجربہ کے صحیح سمجھنے پر ہے' جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا''

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے اور وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے اور عقل و حکمت بہترین دوست ہے لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں۔ [۲]

لیکن یہ باتیں قریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں [۳]' ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ و مدعیانہ فقروں کی گنجائش نہیں چھوڑی' فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم کیا، ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا البتہ سائنس کی بنیاد ہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی' اس ستم ظریفی کو کیا کہئے کہ خود سائنسی تجربات و اختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ دینا پڑا ہے۔ چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر ''ماڈرن بلیف'' کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا اس کے جستہ جستہ یہ اقتباسات پڑھو کہ

''کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے کہ مادی دنیا میں اب تک علل و معلول کے قانون کی فرمانروائی

---

[۱] ۸۔۱۹۷۔

[۲] Wonders Of Life (عجائبات حیات) از ہیگل باب ۳ معجزات۔

[۳] معجزات پر سیرت کا یہ ٹکڑا آج (۱۹۴۵ء) سے ۲۴ سال قبل لکھا گیا تھا۔

کو اٹل تصور کیا جاتا تھا۔ سارے طبعی واقعات وحوادث بالکلیہ جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کئے جاتے تھے سلسلۂ علل ومعلولات میں کہیں کوئی خلل ورخنہ نہ تھا مگر ۱۹۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا اور ماہرین طبیعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب وکلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی یا قطعی علیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہوگیا ہے کہ آیا کارخانہ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے جس کو علیت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادث فطرت کی تہہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے۔ ماحصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی۔ (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابت ۱۹۳۳ء)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانینِ فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں بلکہ ان کی حیثیت اعداد وشمار کے لئے قوانین کی رہ جاتی ہے' زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس برس کی عمر میں مرجائے گا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مرجائیں گے یعنی افراد کا عمل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے بس قوانینِ فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیشین گوئی یا پیش بینی ہوسکتی ہے۔ [1]

بالفاظ دیگر قانون فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی کہ وہ فلاں عمر میں مرجائے گا البتہ عادتاً یہ معلوم ہے کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مرجائیں گے۔ مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کی بناء پر عمل فطرت کی یکسانی یا قوانین فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا البتہ ان قوانین کا منشا یہ ہے' بہرے بے علم واختیار مادہ کا اٹل وجوب ولزوم سے نہیں بلکہ ایک علم واختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادت جاریہ سے ہے جو کسی حکمت ومشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادت جاریہ کے خلاف بھی کرسکتی اور کرتی ہے۔ یہی معجزہ ہے اور بقول مشہور سائنس دان ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنس دان کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف بھی کرسکتا ہے۔ ہم کو معجزات کے خلاف سائنس کے کسی ایسے فتویٰ کا علم نہیں جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول کرنے سے مانع ہو۔ [2]

جب کارپنٹر کے زمانہ میں ہی سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا تو اب کوانٹم نظریہ کے بعد جب کہ کلام وفلسفہ کے نرے قیاسات سے گذر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہوگیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرنا پڑ رہا ہے تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے

---

[1] پورا نام (Out Line of Modern Belief) ہے، مرتبہ جے ڈبلیو ان سولیوان (Sullvon) واٹر گریرسن (Grierson) حصہ چہارم باب ۶ صفحہ ۲۸۵۔

[2] دیکھو فرانک بیلارڈ کی (The Miracle Of On Belief)

خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے لہٰذا ابقول کار پنٹر ہی کے ''اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں جس سے معلوم ہو کہ خالق فطرت کبھی کبھی خلاف فطرت بھی کر دیا کرتا ہے۔''[1]

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالق فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانین فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلہ علل واسباب ومعلولات کو توڑ سکتا ہے بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعیات پروفیسر ڈالبیر[2] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل واسباب غائب ہوتے ہیں۔ اجسام حرکت کرتے ہیں درآں حالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔ اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ سکتا ہے اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے۔

ہکسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ ''معجزہ نام ہے قوانین فطرت کے خرق کا''۔ لیکن تصریحات بالا سے قانون فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے اس کو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چنداں قابل اعتراض نہیں رہ جاتی۔

(۱) قوانینِ فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بذاتِ خود اشیاء کے اندر معلوم نہیں بلکہ ان کی بنیاد تمام تر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہٰذا قوانین فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذاتِ خود ممکن' عقلاً جائز ہے بہ الفاظ دیگر کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز وممکن ہے۔

شہادتِ معجزات

امکان وقوع کے لئے کافی نہیں:

لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز وممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں۔ یہ عقلاً بالکل جائز وممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا مگر واقعاً ایسا نہیں۔ کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لئے دو صورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت' غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی مثلاً

آنحضرت ﷺ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا انہوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈا، پانی نہیں ملا' انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آپ ﷺ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے' حضرت جابرؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ ﷺ نے ان کو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے

---

[1] دیکھو فرانک بیلارڈ کی (The Miracle Of On Belief)

[2] دیکھو اس کی کتاب Matter,Ether,Motion (مادہ' ایتھر' حرکت)

آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے اس برتن کو منگا بھیجا اور ہاتھ میں لے کر کچھ پڑھا اور اس کو ہاتھ سے دبا دیا پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا اور طشت طلب فرمایا' آپ ﷺ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کر حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہہ کر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں' حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا پہلے آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی اُمڈا' پھر تمام طشت بھر گیا یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہوگئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔ [1]

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین وقبول کرنے میں کیا تامل ہوسکتا تھا البتہ ہمارے لئے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہوسکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابل اعتبار ہوسکتی ہے۔۔

لہٰذا امکان معجزات کا مرحلہ طے ہوچکنے کے بعد دوسری بحث شہادت معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ:

ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لئے انسانی شہادت کی کوئی کمیت وکیفیت کافی نہیں ہوسکتی' تاہم نفس خارق فطرت وواقعات کے لئے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بناء پر ان کو قبول کیا جاسکتا ہے۔

''فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوی ۱۶۰۰ء سے لے کر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی۔ یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم وکاست اور بلا شائبہ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکماء کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کرکے اس کی توجیہ اور اس کے علل واسباب کی جستجو ہوگی۔ کائنات فطرت میں زور وانحطاط' فنا وفساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابل قبول ہوگی بشرطیکہ یہ نہایت وسیع' متواتر اور متفق علیہ ہو۔ [2]

ہیوم کا تعصب:

اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کرکے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لئے کوئی انسانی شہادت قابل قبول نہ ہوگی، کیوں؟ اس لئے کہ ''اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے''۔ حتیٰ کہ ''جس معجزہ کی بناء کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ حجت واستدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے''۔ مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک وخرافات افسانوں کے دام میں آجاتے ہیں لہٰذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ وفریب ہونے

---

[1] دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات صفحہ ۱۳۔

[2] فہم انسانی باب ۱۰۔

کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب وافترا سے باک نہیں کرتے۔ پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کر سکتا ہے، مکر واحتیال پر آمادہ ہو سکتا ہے، انسان زوداعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے۔ معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع وذائع ہو جانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے اور اس لئے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے پھر معجزات اور فوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک ہی قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقل مند آدمی پرانے زمانے کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجیب بات ہے کہ اس قسم کے خارق عادت واقعات ہمارے زمانہ میں ظاہر نہیں ہوتے۔ انہی وجوہ کی بناء پر دعویٰ ہے کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں۔[1]

بلاشبہ شہادت کی جرح وتعدیل اور تحقیق وتنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے جس کی بناء پر محض معجزہ یا مذہب کے نام آتے ہی ہیوم کا یہ ایسا ناقابلِ حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لئے صدائے تائید حکمت فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بناء پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک سفر میں

> صحابہؓ بھوک سے اس قدر بے تاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنی چاہیں لیکن آپ ﷺ نے ان تمام لوگوں کے زاد راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ایک چادر بچھائی اور اس پر تمام زادراہ ڈھیر کیا گیا۔ اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اس قدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے۔[2]

کافی شہادت:

اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادِراہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آ گیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھالیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لئے تو ہکسلے جیسے حکیم وفلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کا انجیل میں مذکور ہے کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچ ہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے جن کو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں[3] لیکن اس معجزہ کے باور کرنے میں روایتاً ودرایتاً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد ہکسلے نے لکھا ہے کہ

> "اگر یہ ثابت کیا جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) پانچ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام آدمی واقعاً پوری طرح آسودہ

[1] یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اس کے مضمون "معجزات" میں جا بجا ملیں گے۔

[2] دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات۔

[3] یوحنا باب ۶ آیت ۱۳۔۵

ہو گئے (۴) اور اس کے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کئے گئے ان کا وزن کیا تھا تو پھر ممکنات و ناممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں لیکن مذکورہ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھ کو ماننا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلاف توقع مثال سمجھوں گا۔'' [1]

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی بنا پر اس کے وقوع کا یقین بھی کیا جاسکتا ہے اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں ان کے یقین کرنے کے لئے ''تشفی بخش'' شہادت موجود ہے؟

اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی میں دینا ہی چاہئے تھا لیکن یہاں پہنچ کر ہکسلے بھی سرافگندہ ہو جاتا ہے اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معناً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے۔ [2]

''یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جاسکتا لیکن مجھ کو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم جس کی بناء پر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں کچھ ترمیم کرسکوں کہ'' تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ' باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہو جن کے خود فریب و مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو۔ جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بناء پر دوسروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے۔ جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے۔ ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لئے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔

ہیوم نے کہنے کو تو کہہ دیا کہ قبول معجزات کے لئے جس درجہ کی شہادت درکار ہے اس کا تاریخ کے دفتر میں کہیں پتہ نہیں لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعاً یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟ فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے جس کے تقدس پر بقول ہیوم لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں۔

''بہروں کو سماعت' اندھوں کو بصارت مل جانا' اور بیماروں کا اچھا ہو جانا اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا لیکن سب سے حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر ان کے روبرو ثابت کر کے دکھائی گئی ہیں جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہر تصدیق ثبت ہے جن کی شہرت و سند مسلم ہے' جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے' اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں، بایں ہمہ یسوعی فرقہ تک کو ان کی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کئے جاتے تھے۔ اب یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق و تصدیق کے لئے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آسکتے ہیں اور ان دل بادل شہادتوں

---

[1] مقالات ہکسلے ج ۲ ص ۲۰۳۔

[2] مقالات ہکسلے ج ۵ ص ۲۰۷۔

کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں، اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں ان کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔[1] ﴿اللھم احفظنا من شرور انفسنا﴾

ہیوم کا صریح تناقض:

ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزاء ہے اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا۔ جبریہ اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے اور اس دعویٰ پر انہوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیئے ہیں تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنے لمحے ان دلائل کی بناء پر اپنے کو مجبور محض یقین کرتے ہیں۔ ہیوم کے دلائل فلسفہ نے بے شک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ ''یہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارق عادت ہیں''۔ اور ان کی تردید کے لئے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لئے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اس کے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لئے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ پہلے اس کے عدم امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہئے اور پھر خود یقین کی ماہیت واسباب پر بحث کرنی چاہئے۔

انتہائی استبعاد:

اوپر اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارق فطرت واقعات کا لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیر خط جملہ میں دیکھ لیا کہ ''خارق'' کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے۔ خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ ''یہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارق فطرت ہیں۔ اصل یہ ہے کہ نفسی اختلافات کی بناء پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزیں ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانون فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے اس لئے کسی واقعہ کو ''خارق فطرت'' کہتے ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ مختتم طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے بلکہ ''تشفی بخش شہادت'' کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے تو اس کو ''خارق فطرت'' کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے ہلکے سے ہلکے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ انتہائی حیرت انگیز واقعہ کہا جا سکتا ہے لیکن ''انتہائی حیرت انگیز'' سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد ہوگی۔

---

[1] فہم انسانی باب ۱۰ قابل توجہ فقرات کو زیر خط میں مولف ہذا نے کیا ہے۔

استبعاد معجزات

فطرت کی یکسانی:

ایک عام خیال جو اس ''حیرت انگیزی'' میں اضافہ کرتا ہے یہ ہے کہ کارخانہ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں۔ حکماء جب تک فطرت کی یک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں حتیٰ کہ مل کو اپنی ''منطق'' [1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہئے۔ ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو واقعے نظر پڑے۔ [2]

عورتوں کے علی العموم بہ وقتِ واحد ایک لڑکا ہوتا ہے یا کبھی کبھی دو لیکن حال میں میکسیکو (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اس نے کہا کچھ عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت کے چھ لڑکے ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔ طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پر پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا لیکن برسٹل میں انفلوائنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجے تک پہنچ گیا' پھر بھی وہ اچھی ہوگئی اور زندہ ہے۔ خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ

> ''جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لئے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۴ نکلی' خیال ہوا کہ تھرما میٹر میں کچھ نقص ہے دوسرا تھرما میٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۴۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا۔ اس نے دو تھرما میٹر اور منگوائے' بالآخر یقین کرنا پڑا۔ کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آ گیا لیکن رات کو پھر بڑھ گیا اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا۔ حیرت کی انتہا نہ رہی۔ بہرحال علاج سے فائدہ ہوا اور اب مریضہ خاصی رو بصحت ہے۔

ترکیون متی (ٹرگنو میٹری) یا ''مساحۃ المثلثات'' وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دی جاتی ہے۔ ۱۰'۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں' ان کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے۔ جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳۔۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں۔ لیکن گذشتہ سال اکتوبر میں (۱۷ کا تار لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا ''معجزہ ریاضیات'' اسی عنوان سے یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے اعلیٰ الجبراء' ٹرگنو میٹری' تحلیلی' اقلیدس (جیومیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادت مسیحؑ (بے باپ کے) یا احیائے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استبعاد یا اعجاز ہو سکتا ہے لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوان عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اس کے

---

[1] نظام منطق کتاب ۳' باب ۳۔

[2] یہ دونوں واقعہ آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

نظائر بھی تلاش کر لئے۔ چنانچہ ہکسلے جیسے سائنس دان نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ

''رہا مریمؑ کے کنوار پن میں مسیحؑ کا پیدا ہونا' تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصناف حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے۔ یہی حال احیائے موتی کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آ جاتی ہے۔'' [1]

ایجادات سائنس:

یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم ''انتہائی حیرت انگیز'' اعجاز نمایاں نہیں کی ہیں۔

لاسلکی ذریعہ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے یہ کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابل تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں' اور درمیان میں ہزار ہا میل سمندروں کی پہنائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیغام پہنچا دے سکتے ہیں۔ ایک منٹ میں ۶۰ سیکنڈ ہوتے ہیں ایک سیکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام ۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے۔ [2]

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیغام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال میں ایک فرانسیسی سائنس دان نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لندن' پیرس یا نیویارک میں چیک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں۔ قریب قریب یعنی سینکڑوں میل کے مقامات پر اس کے کامیاب تجربات ہو چکے ہیں۔ [3]

تنویم:

طبعیات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لائیے جس کا نام ہپناٹزم ہے عربی میں اس کو تنویم مقناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عمل تنویم سے تعبیر کریں گے۔ اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ میں ایک نہایت بلند پایہ محقق نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہیں

''عامل تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجالاتا ہے حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں۔ مثلاً چھینک' چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا' حرارت خون کا کم یا زیادہ ہو جانا' حرکت قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] مقالات ہکسلے ج ۶ صفحہ ۱۹۹۔

[2] معارف۔

[3] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۷۷۔

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا ہے' آگ میں جلا جا رہا ہے۔ تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یہ یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے۔ تم اس کو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے۔ نوشادر میں اس کو کالونگی کی بو محسوس ہو سکتی ہے۔ کرسی اس کو شیر نظر آ سکتی ہے۔ جھاڑو اس کے لئے خوبصورت عورت بن سکتی ہے۔ راستہ کا شور اس کو موسیقی معلوم ہو سکتا ہے۔ جوان آدمی اپنے کو بچہ یا نپولین عظیم سمجھنے لگ سکتا ہے۔

سر یا دانتوں کا درد دور کر دیا جا سکتا ہے، وجع مفاصل وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے، بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے یہاں تک کہ ایک شخص نے ۱۴ دن تک کھانا نہیں کھایا۔ جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو سکتا ہے مثلاً فلاں لفظ وہ نہ سنے۔ لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کر دو وہ نہ دیکھ سکے گا۔''[1]

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس لئے اس کا نام تنویم ہے لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے مثلاً جس مرض کے لئے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لئے دور ہو سکتا ہے یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہہ دو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے۔ سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔

گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری ہونے کے بعد کیے جاتے ہیں لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لازمی شرائط میں نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتاً کم ہوتے ہیں جن پر کیفیت نوم طاری ہوتی ہو[2] ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے۔

ڈاکٹر البرٹ مول کا بھی نام لیا جا چکا ہے اس جرمن فاضل کی کتاب ''ہپناٹزم'' اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے۔ معجزات ہی پر کیا موقوف ہے سحر وعملیات تک کے صدہا عجائب کی گرہ کھل جاتی ہے اور جن واقعات پر عقلاء نے اوہام واباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔

معجزاتِ شفا:

بہت سے معجزات وکرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائل علاج پر مبنی نہیں اور اس کے لئے مدعیان عقل کے ہاں اس کا نام ''وہم پرستی'' تھا لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصول علاج منکشف کر دیا ہے جو عام مادی وسائل اور استعمال ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شنوا ہو جاتے ہیں، پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے، آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں، وجع

---

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ''پرنسپلس آف سائیکالوجی'' (اصول نفسیات) جلد دوم باب ۲۷۔

[2] ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپناٹزم'' صفحہ ۲۹۲ طبع ۱۹۰۹ء۔

مفاصل دور ہوجاتا ہے زخم بھر آتے ہیں [1] کیا اس کے بعد بھی انجیل کی روایات مسیحائی کو محض ''خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار'' کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟ فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کرامات شفا کا اوپر ذکر گذرا ہے ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو قطعاً ناممکن قرار دیا تھا لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبۂ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کرامات شفا کو تنویم ہی کا معجزہ نما نفسی اثر سمجھتا ہے [2] غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک قطعاً ناممکن تھی مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ ''وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم وشرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں'' لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم وشرائط موجود ہیں جن کی بناء پر عصا اسی طرح اژدھا بن جاتا ہے جس طرح کہ کرسی شیر نظر آسکتی ہے، تم کہو کہ تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰؑ کا اعجاز کیا رہا؟ اس کا جواب آئے گا' سردست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدھا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں جس پر یقین کے لئے نفس نوعیت واقعہ کی بناء پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو۔

عام تجربات:

تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پراسرار واقعات مشاہد ومسموع ہوتے رہتے ہیں جن کی توجیہ عام قوانین فطرت سے نہیں ہوتی اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت واستبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار ''لیڈر'' نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب وغریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

''بردوان میں ایک عجیب و پراسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے۔ لالہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا۔ متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا اس لئے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا اس کی لاش جلائی نہیں گئی۔ جلانے سے پہلے اس کے لڑکے انندلال نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا لاش کا فوٹو لیا لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آ گئی ہیں۔ ان تصویروں سے میں دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکی کی ہیں جن کو مرے ہوئے کئی سال ہو چکے ہیں باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جا سکیں۔''

''ٹائمس آف سیلون'' میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے ان میں یہ بھی تھا۔ [3]

''ایک شخص آگ کی سوراخ دار چپٹی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص وطواف کرتا تھا اس نے مجھ کو یقین دلایا کہ یہ چپٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی حالانکہ جب میں نے تجربتاً چپٹی کے اسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی چھوا تو

---

[1] ڈاکٹر مول کی کتاب ''ہپنا ٹزم'' صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ ۱۹۰۹ء۔

[2] ہپناٹزم صفحہ ۳۵۶۔

[3] لیڈر'' نے ''ٹائمس آف سیلون'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

میری انگلی جل گئی۔ ان کا بڑا پجاری کم وبیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں''۔

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہے کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں یا اگر ان کی کوئی توجیہ وتشریح ہوسکتی ہو تو کریں۔ اس پر خود ''ٹائمس'' نے لکھا ہے کہ سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی اب تک علمی توجیہ ہوسکی ہے' ایک نظریہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے آپ پر عمل تنویم کر لیتے ہیں۔[1]

بہر حال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن ایڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا' کیوں؟ اس لئے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس نوعیت واقعات ہی کی بناء پر ان کی تغلیط وتردید کردی جائے یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی بناء پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو لیکن نفس واقعہ سے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رویائے صادقہ:

رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت وفلسفہ کا ناخن اب تک عاجز ہے۔ مختلف اصناف خواب کی توجیہ کے لئے جو جو نظریات فرض کئے گئے ہیں خود ایک خواب پریشان معلوم ہوتے ہیں لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لئے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی مبصر آدمی سے دریافت کرو اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں ان سے بے لطفی ہوجاتی ہے تو بیداری میں اس نتیجہ کے لئے وہ تیار رہتے ہیں اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے۔ ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵ اپریل) ایک جگہ لکھا ہے کہ

''آج دوپہر کو سویا تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ ''خ'' کا خط آیا ہے جس میں ''س'' کا بھی ایک خط ملفوف ہے اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا۔ انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا' حالانکہ مجھ کو ''خ'' کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور ''س'' کا خط تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا۔''

پروفیسر ہلپرکت اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر تھا اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہوسکا تھا خواب میں حل کیا اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آکر

---

[1] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کرسکتا ہے۔

اس کی رہنمائی کی۔ [1]

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب و استبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ یا ایک طرح کا وحی والہام ہوتے ہیں رسالت پناہ ﷺ پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (صالحہ) سے ہوئی تھی۔ اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے۔

حقیقی اسرارِ نبوت:

اسرار نبوت میں سب سے زیادہ پراسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیمؑ کو خدا خود ندا دیتا ہے ﴿نَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ﴾ جہاں سے موسیٰؑ کو ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ کی بناء پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے اور جہاں محمد ﷺ اور خدا [2] میں ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں منطق و استدلال کا ''حجاب اکبر'' اٹھ جاتا ہے اور ظنی علم کی جگہ کشف و مشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے۔ ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی؟ موسیٰؑ نے طور پر کس سے کلام کیا؟ اور ''لَنْ تَرَانِي'' کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کون سی ہستی تھی جس میں اور محمد ﷺ میں صرف قاب قوسین کی دوری تھی؟ اور ﴿أَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ کا ماجرا کیونکر پورا ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامۂ تحدید میں رہ کر نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں:

عام معجزات کی نوعیت ہے چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے معمولی واقعات زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں لہٰذا اسی نسبت سے ان کے استبعاد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے لیکن ''وادی ایمن'' اور ''سدرۃ المنتہیٰ'' کی واردات جو اصلی معجزات اور مقام نبوت کی حقیقی ''آیات کبریٰ'' ہیں ان کی بظاہر کوئی مثال اس عالم ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے۔ بے شک ﴿لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ﴾ کا رتبہ بلند ملا' جس کو مل گیا۔ اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک سے نہیں ہو سکتا تاہم بہ قدر استعداد تجلی طور کا ہلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے اور چشم بینا کی ہدایت کے لئے اتنا ہی بس ہے۔ انبیائے مرسلینؑ کے بعد اولیائے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں لیکن عام انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے اس لئے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں۔

پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محقق نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفہ میں ہے اس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب یا مذہبی تجربہ و شعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے۔ [3] اس میں بلا قید مشرق و مغرب' انبیاء و اولیاء، عوام و خواص، علماء و حکماء سب کے ''تجربات مذہبی'' کی آپ بیتی واردات کو یکجا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا کا مضمون ''ڈریم''

[2] دیکھئے سورۂ ''نجم''

[3] اس کا نام ''تجربہ مذہبی کے اصناف'' پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے۔

کیا۔ اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں۔

سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین و زیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جب کہ یہ کتب بینی میں مشغول ہے یا خالی بیٹھا ہے ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے۔ پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے یا کیا ہے تاہم نفس اس کی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہوسکتا ہے۔ وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی و واقعی ہونے کا اذعان ہے۔

''اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام والتباس ہے' نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد و کیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے' بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم و یقین ہے اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے' ہر چیز جو میں لکھتا یا سنتا ہوں خواب ہوسکتی ہے' لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔''
(صفحہ ۶۰' ۶۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا۔ اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے۔

''میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی' ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے' میں نے پھر سونے کے لئے کروٹ بدل لی، فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے اور یہ کچھ عجیب احساس تھا کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا۔ ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں جو مجھ پر گذری بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی' ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب و خوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔'' (ص ۶۲)

ایک سائنس دان کے اعترافات سنو!

''بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین میں بتدریج لاادری اور لامذہب ہوگیا تھا تاہم اس ''غیر متعین شعور'' سے میں کبھی خالی نہیں رہا جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقتاً مطلقہ رکھا ہے لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لئے محض ناممکن العلم نہ تھی کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی نہ دست بدعا ہوا تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لئے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا اس نے ہمیشہ میری نصرت کی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا کیونکہ ادھر چند سال سے اس

سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں جس ذات کو میں ''اس'' سے تعبیر کر رہا ہوں یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید پر مجھ کو بھروسا تھا لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح کم کر دیا''۔ (صفحہ ۶۴۔۶۵) [1]

سویٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے کہ

''میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا کسی قسم کی تھکن بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی طبیعت بالکل چاک اور شگفتہ تھی۔ گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی۔ غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی۔ ہوشیار رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا۔ رات میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکا یک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتقاء محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے آگے چلو میرا انتظار نہ کرو۔ اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میرے جیسی گنہ گار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو پہچنوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا۔ میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تر اس کی رضا جوئی میں بسر ہو۔ جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و مسکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے زیادہ قوی شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں۔ یہ احساس و اثر اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کہ کیا موسیٰ نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا۔ اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا''۔ (صفحہ ۶۶۔۶۷)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں۔ قیاس اور اخذ نتائج کے لئے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی۔ امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے۔

''اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی جس کا بیان ناممکن ہے اس حالت میں دوسری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے، مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا یہ کیفیت صرف چند سیکنڈ تک رہی لیکن اس کی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گذر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے''۔ (صفحہ ۳۹۹)

ان مثالوں کو سامنے رکھ کر اب یہ حدیث پڑھو کہ

''ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ ﷺ دیر سے برآمد ہوئے نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ ٹھہر

---

[1] اس حالت کو سامنے رکھ کر ذرا ان آیات کو پڑھئے ایاك نستعین ففروا الی الله وما النصر الامن عند الله۔

جائیں پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لئے مقدر تھیں تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جلال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہوا۔ خطاب ہوا اے **محمد**! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں اے میرے رب! میں نہیں جانتا۔ اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں۔ سوال ہوا یا **محمد**! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی ہاں؟ اے میرے رب.........الخ [1]

اس میں کلام نہیں مکالمہ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے جتنا کہ انبیاءؑ کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہئے تاہم ''عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است'' ان مثالوں میں ایک نہ ایک حد تک اس مقام برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے اور ہمارے مدعا کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

مقدمات ثلثہ:

یقین معجزات کے لئے ہماری منطق استدلال کے تین مقدمات تھے جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے بہ ترتیب پورا کر دیا تھا تیسرا مختلف اصناف استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے ان مقدمات ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) معجزات بذات خود کوئی نا قابل تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں (ہیوم)

(۲) زیادہ سے زیادہ ان کو ''انتہائی حیرت انگیز'' یا ''انتہائی مستبعد'' واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس لئے (الف) انسانی شہادت کی بناء پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے (ب) البتہ ''انتہائی حیرت انگیزی و استبعاد'' کی وجہ سے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لئے جو شہادت مطلوب ہے اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابل اعتبار ہونا چاہئے (ہکسلے)

(۳) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی، نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں جن کے قبول و یقین کے لئے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے۔

لہٰذا یقین معجزات کے لئے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں۔

اصلی بحث یقین کی ہے:

لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آ جائے گا اور کیا اب صفحات بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائے گا؟ مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے۔ آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی، نفس اپنی قوت استدلال کی بناء پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل [2] جو منطق کے ''اقانیم ثلثہ'' ہیں کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو

[1] پوری حدیث کے لئے دیکھو آگے ذکر مشاہدات

[2] ارسطو، مل علی الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے امام ہیں، جن کا تعلق اضافی حقائق و علوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی) نے منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دیئے یعنی منطق کو مابعد الطبیعیات بنا کر اس کے ذریعہ حقیقۃ مطلقہ کا سراغ لگانا چاہا ہے۔

بذاتِ خود ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکان وقوع اور شہادت وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

یقین معجزات

یقین کی ماہیت:

یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے' نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے ہر شخص جانتا ہے کہ نفس تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے؟

یہاں ہمارے مقصد کے لئے صرف اتنا جان لینا چاہئے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ [1] کی طرح امور واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین نا قابل تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ لذت و الم' حیرت و استعجاب' رنج و غم' محبت و نفرت، ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیات نفسی کی طرح محض ایک اضافی و تغیر پذیر ذہنی کیفیت کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیات بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے اسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے اس بیدردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینہ تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا' علم کا فدائی اور حکمت و فلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کف افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت و غصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت و غصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے۔ اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانہ اسکندریہ کی تباہی سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گذرے تو رنج و غصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ ''حجاب اکبر'' کا یہ ''دفتر بے معنی'' اسی سلوک کا مستحق تھا۔ ''صد کتاب وصد ورق در نار کن''

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے۔ جذبات کی طرح یقین و عدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں۔ جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت و جہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی انہوں نے نہ صرف شہادت کی

---

[1] معجزات کا تعلق چونکہ تاریخ اور روایت سے واقعات سے ہے نہ کہ ریاضی کی مجردات سے اس لئے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اس کی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی اطلاقی اور ازلی یا نا قابل تغیر بنیاد پر قائم نہیں ہے جس کا انکار نہ ہو سکے بلکہ مل جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا، یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہوں، یہ لازم نہیں آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر چھ ہو سکتے ہیں۔

تحقیق و تفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی و درایتی تضعیف کے بعد بھی ان کا یقین قائم رہا لیکن انہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ اس کے جذبۂ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مورخ جو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کو دامن اسلام پر وحشت و جہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا اور کسی طرح اس کا محبت اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا و بہتان قرار دیا بلکہ الٹے خود ان ہی افترا پرداز دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا[1]

نظریاتِ حکمت کا یقین:

یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعات تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے۔ پروفیسر جیمس نے ''ارادۂ یقین'' اور ''جذبہ عقل پرستی'' کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں، ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش و ارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی نوعیت کا محض ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ:

ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و تفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس ''خواہش'' کی بناء پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی، کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کر دے اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے اور کارخانہ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوش گوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی واقعہ کے مظاہر ہیں اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گویے کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے جو چاند کو اس کے ساتھ ہے، غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے ماتحت پتھر نیچے گرتا ہے اس یقین میں کس کے لئے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے۔

نظم و یکسانی کی لذت کے لئے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے اسی کو ملحوظ رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک

---

[1] جیمس کا مضمون ''جذبہ عقلیت'' SENTIMENT OF RATIONALITY

زبردست معلم فلسفہ پروفیسر روائس نے تنبیہ کی ہے کہ جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابل استیصال جذبہ پر مبنی ہوسکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لئے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے۔ [۱]

یہی تعصب تھا جس کی بناء پر ایک بڑے سائنس دان نے جیمس سے کہا کہ کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہئے کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے جن کے مانے بغیر سائنس دان اپنا کام نہیں چلا سکتے۔ اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس دان حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہوئے بلکہ یہی شہادت یقین کے لئے کافی ہوتی [۲] اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا ''عقل پرست سائنس'' کے تعصبات ''وہم پرست مذہب'' کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکار معجزات وحدت و یکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

نظریات فلسفہ کا یقین:

خیر اہل سائنس یا حکماء کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات ونوامیس زیادہ تر اضافی و مفروضی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فلاسفہ یا متالہین جو حقائق عالیہ اور صداقت مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے اصول ونظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہئے تھا مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات وخواہشات کا عکس نظر آتے ہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب حتیٰ کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب ''شریہ'' اور ''خیریہ'' [۳] کہا جاتا ہے' یا اس کو ''یاسیہ'' اور ''رجائیہ'' بھی کہہ سکتے ہو' اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے' یاس ورجاء، امید وبیم وغیرہ کے ذاتی جذبات واحوال ہی ثابت ہوں گے۔

دور جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار جس کا شمار فلسفہ کے اکابر آئمہ میں ہے اور جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ صداقت مطلقہ صرف ارادہ یا خواہش ہے نہ کہ عقل یا فکر اور یہ ارادہ چونکہ ''بے عقل'' ہے اس لئے اس کی کوئی غایت نہیں۔ دنیا میں کوئی فلاح وسعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر ''بے مقصد'' ارادہ کا ایک کھلونا یا تماشہ ہے خارجی عالم اسی ''بے عقل وبے مقصد'' ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔

کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضاد آراء کا یہ عالم ہے کہ

---

[۱] دیکھو اصول نفسیات جلد ۲ ص ۳۱۲ THE R ALIGIOUSAL O PCOTOPPINLOSOPHYS (فلسفہ کا مذہبی پہلو) مصنفہ پروفیسر روائس

[۲] ارادۂ یقین' صفحہ ۱۰ طبع جدید ۱۹۱۷ء

[۳] انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب Pessimists اور Optimists ہے۔

جتنے منہ اتنی باتیں' کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمام تر عقل پر مبنی ہے، کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے' کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا نا قابلِ تصور ہے' کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے' کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم وفریب ہے، کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل وقائم بالذات روح ہے، کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے' کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلہ علل لامتناہی ہے' کوئی مانتا ہے کہ نہیں ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے اور کوئی مختار، کوئی جسد و عالم کی وحدت کا قائل ہے اور کوئی کثرت کا، بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

عقل انسانی کی انہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے ورنہ نہیں [1] اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات ابل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اس قدر مختلف ہندسات اس قدر مختلف منطقیں اس قدر مختلف طبیعیاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کی نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے۔ [2]

مشاہدات کا یقین:

تم سمجھتے ہو گے کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہو گی' باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں وہ تو بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے متعلق زید و عمر کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے لیکن تمہارا یہ ''ناممکن'' نہ صرف ''ممکن'' بلکہ واقعہ ہے۔

دن رات کے ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہے دوسرے کو بدمزہ، آلات حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہے' رنگ و بو' آواز و مزہ' سردی و گرمی' شکل و صورت' طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی' دوری و نزدیکی سے، لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی' حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے؟

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورہ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنس دان کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنس دان تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیاء دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں۔ (ماڈرن بلیف صفحہ ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہے نہ بو' نہ کوئی آواز ہے نہ مزہ' لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں اس لئے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ ''مادہ کسی نامعلوم شے کا نام ہے'' پھر بھی کسی نہ کسی مفہوم میں اس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے بخلاف اس فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے' لہٰذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار

---

[1] ارادۂ یقین Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر واکر صفحہ ۴۳۲ بحوالہ

[2] The meaning of Truth (معنی صداقت) ص ۵۸۔

کر دیتا ہے اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا، مگر یقین کی گردن دلائل سے کب جھکتی ہے ممکن ہے کہ چند لحات کے لئے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے جہاں سے غور و فکر نے اس کو منحرف کیا تھا اور شب و روز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی۔

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے جو نہ علم کا پابند ہے نہ جہل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منہ نہیں دیکھتا کہ ''جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو''۔

کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے خود اس شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے۔ چنانچہ ''ارسٹاٹیلین سوسائٹی'' کے ایک ممبر براڈ نامی نے ۳۔۴ سال ہوئے ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بناء پر لکھا ہے کہ [1]

> ''ہیوم کو یقین معجزہ سے اس لئے انکار ہے کہ معجزہ گذشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً گذشتہ تجربہ یہ ہے کہ ''الف'' کے بعد ہمیشہ ''ب'' ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے ایک اندر قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آئندہ بھی ''ب'' ہمیشہ ''الف'' کے تابع ہوگا ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لئے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو۔ دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے۔ ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آئندہ بھی ہوگا اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گذشتہ مستمر تجربہ سے آئندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں لہذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا''۔

جب یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے تو اس کے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے۔ منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلان یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں لیکن خود اس میلان کی تخلیق ان کے بس سے باہر ہے۔ یہ میلان بذات خود ایک نفسی حقیقت ہے لہذا اس کے اسباب تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے۔ کم و بیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے لیکن ہمارے لئے یہاں علم النفس عام تفصیل طلب طرز بحث سے بحث کر کے کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی۔

---

[1] ... رسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد بابت ۱۷۔۱۹۱۶ء صفحہ ۹۴

نفسیات یقین:

البتہ بنیاد بحث کے لئے استناداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے جس کے لئے عہد حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استاد نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہوسکتا ہے اس لئے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب ''اصول نفسیات'' کے باب احساس حقیقت (جلد دوم) سے اسباب یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہ نقل کرتے ہیں۔

(۱) ''معالجات (تدابیر شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب (یعنی جذباتی احوال) پر مبنی ہے حتیٰ کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی (خصوصاً عورتوں کے لئے) جس شے میں کچھ بھی امید و شفا ہو اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے وہ آتش گیر مادہ کے لئے چنگاری کا کام دیتا ہے۔ طبیعت فوراً اس پر عمل کے لئے آمادہ ہو جاتی ہے آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے اور کم از کم ایک دن کے لئے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و بیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطہ اقتدار میں ماضی مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں''۔ (صفحہ ۳۱۰۔۳۱۱)

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر ہے کہ

(۲) ''سب سے زیادہ یقین آفریں وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسہ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں''

لیکن ہم کو یہاں نفسیات یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ

(۳) ''ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیاء کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں''۔ (صفحہ ۳۲۱)

خواہش یقین:

ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لئے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو۔ یقین ایک قسم کی تشفی ہے، جب تک اس کے لئے طلب و تشنگی نہ موجود ہو، یہ نہیں حاصل ہوتا' پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے لیکن اکثر پیاس لگنا ہی پانی پی لینے کے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو' مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا' اس کی ناپاکی کا شبہ یا کسی بیماری کے لئے اس کے مضر ہونے کا اندیشہ، اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی و نفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہو اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کے پیاس لگ آتی ہے۔

موانع ومؤیداتِ یقین:

یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مویدات سے تعبیر کریں گے۔ جب کوئی چیز یقین واذعان کے لئے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اوراس کے موانع ومویدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے اگر خواہش یقین زیادہ قوی ہے تو وہ بلا مویدات کی اعانت کے موانع پر غالب آجاتی ہے۔ اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کردیتے ہیں اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہوسکتی ہے یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مویدات کی مدد سے ان کو زیر کرلے گی۔ عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ انہی موانع و مویدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش موانع اور مویدات) پہلوانوں کا اصلی حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں۔

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے اس کو سامنے رکھ کر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے میں خواہش وارادہ کو کیا دخل ہے اور مویدات وموانع کا اس پر کیا اثر پڑتا ہے۔

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا ایک دوست آکر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی پرہیزگار اور بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے تم بھی انہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو۔ ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لئے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لئے آمادہ ہوجائے گا اور طبیعت میں کم ازکم کچھ دیر کے لئے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی جس کا نام میلان یقین ہے اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے پھر ان کے اتقاء اور بےلوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید وتقویت ہوتی ہے۔ لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے، وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہوجائے گا دعا کے اثر کو قانونِ فطرت کے منافی بتائے گا اس کی شہادت پر جرح کرے گا جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لے کر جاتے ہیں ان کو اوہام پرست کہے گا اور اپنے اندر کوئی میلان یقین نہ محسوس کرے گا۔

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے' مریض خود اس کا اکلوتا' نوجوان اور ہونہار لڑکا ہے جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی چراغ ہے۔ جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے۔ ڈاکٹر اور اطباء علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی معلوم ہے۔ انہی مواقع کے لئے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائے گی دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا اس کی انتہائی طلب وتشنگی' الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل وموانع پر غالب آئے گی' اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہوجائے گا اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی اتنی ہی زیادہ امید ویقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں

حاضر ہوگا۔ لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہے کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کرسکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائے گا ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے۔ ایمان و یقین کا حاسہ قلب ہے اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی منطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کرسکتی۔

ساحروں کے دل میں ذوق ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سر بسجود ہوگئے اور پکار اٹھے ﴿اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى﴾ لیکن کیا فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کرسکا؟ انبیائے کرامؑ خصوصاً سید الانبیا ﷺ کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے، ''سیرۃ النبی'' میں ابتدائی قبول اسلام کے صفحات پڑھو ہر سطر ذوق ایمان وطلب یقین کے مذکورۂ بالا نفسی حقائق سے معمور ملے گی۔

نفسیات یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے:

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبول اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے اور حق کی تلاش میں تھے انہوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص (آنحضرت ﷺ) جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔ ان مویدات یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لئے نہایت خطرناک موانع موجود تھے تاہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشفی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذرؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہوگئی۔ [۱]

حضرت حمزہؓ کو آپ ﷺ سے خاص محبت تھی آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے، وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ ﷺ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے دل میں نور حق موجود تھا بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنانِ اسلام آنحضرت ﷺ کو پہنچاتے تھے اظہار اسلام پر بے تاب کر دیا۔ اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دوں۔ تمام دن سوچتے رہے آخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے۔ [۲] موانع یقین موجود تھے لیکن ''دین حق'' کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا۔

قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام ﷺ کا نامہ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی اور اس نے کہا کہ ''مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ میں اگر وہاں جاسکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا'' لیکن قیصر نے ابوسفیان

[۱] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے دیکھو سیرۃ النبی ج دوم طبع اول ص ۱۱۔۱۲۔

[۲] سیرۃ النبی جلد اول طبع دوم ص ۲۰۷، ۲۰۸۔

سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے نامہ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نور ایمان آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔[1] تخت و تاج کی حرص دولت ایمان کی ترغیب سے قوی تر ثابت ہوئی۔

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا بخلاف اس کے نامہ مبارک پر پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ ''میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے'' پھر نامہ مبارک چاک کر ڈالا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے۔[2]

اسی قسم کے واقعات کی بناء پر مصنف سیرت نے اوائل دعوت میں اسلام لانے والوں اور ان کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں ان سے بھی تمام تریقین کے انہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے جو اوپر بیان ہوئے ہیں تفصیل کے لئے خود سیرت (جلد اول طبع دوم صفحہ ۱۹۲۔۲۰۴) کی طرف رجوع کرنا چاہئے یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے۔

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت ابوذرؓ وغیرہ کا شمار انہی طالبانِ حق میں ہے۔ (خواہش یقین)

(۲) بعض صحابہ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے۔ (موانع یقین کی کمی)

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ، جنابؓ، ابوفکیہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی (موانع کی کمی)

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالم گیر اثر کا بھی خاتمہ تھا اس لئے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔

(۲) قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں سب سے

---

[1] ایضاً صفحہ ۴۲۶۔۴۲۹ پورا مکالمہ پڑھو۔

[2] سیرۃ النبی ﷺ جلد اول طبع دوم صفحہ ۴۳۰۔

بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یک دگر تھے، بنو ہاشم اور بنوامیہ۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنوامیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتے تھے اس لئے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب نے حرم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا' اخنس بن شریق تمام وکذاب تھا' نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت دار و گیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت و اقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان ویقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیئے جاتے اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

(۱) بذات خود یقین عام انسانی جذبات و احساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے۔ فلسفہ وحکمت بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ماہیت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ میلان نہیں ہے۔

(۲) یقین کی بنیاد عقلی ونقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اس خواہش کے موانع ومویدات کا وزن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمام تر ان جذبات ومعتقدات اور مزعومات ومفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے جو کسی شے کے قبول ویقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

لہٰذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین وقبول کے لئے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غایتِ معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں:

اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہے، غیب پر ایمان رکھتا ہے اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالات اخلاقیہ و اوصاف حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہے تو اس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے۔ اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہے یا اس کی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہے تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے جس سے ذوق ایمان کی تقویت ہوتی ہے اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لئے ایک معنی میں معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصلی غایت:

اس دلیل یا آیت کی جو غرض و غایت ہو سکتی ہے اس کی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمام تر اسرار و غیوب پر ہے۔ سب سے بڑا سر یا غیب بلکہ غیب الغیوب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے۔ حشر و نشر، جن و ملک، وحی و الہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں۔ نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط و علائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلہ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے اس لئے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے اس کا نفس قدرتاً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص سرے سے ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے لئے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت۔ کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی کا نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے اور وہ ہدایت خلق کے لئے انبیاء کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے۔ جو آدمی نقطہ خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس ہی کا قائل نہیں اس کو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو؟ جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لئے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے اسی طرح تفصیلات مذہب پر یقین کرنے کے لئے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> ''جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کی جائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا۔ معجزات سے خود خدا کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا اس لئے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے نہ موجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی

مداخلت کے علاوہ معجزہ نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں، یہاں تک تو ہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے اور اس لئے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے۔ جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل واثر خواہ مخواہ کا فرض نہیں رہتا بلکہ ایک سنجیدہ "امکان" بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت میں اس کی سنت عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہئے؟ [1]

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین وقبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب (خدا اور مذہب) پر ایمان رکھتا ہو اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھ کر وقوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں؟ جزئی شقوں یا فرعی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے۔

پہلی صورت:

یہ ہے کہ خدا نے کارخانہ عالم چلانے کے لئے کچھ اصول وقوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنت جاریہ میں کبھی کسی حالت میں تغیر وتبدل نہیں کرتا۔ بقول اسپنوزا کے کہ خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت وحکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو۔ قدرت خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانہ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔ [2]

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی انہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہئے جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لئے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے مثلاً جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، عصائے موسیٰ کا اژدھا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لئے کرسی کا شیر بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصائے موسوی کے اژدھا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کی جا سکتی ہے۔

لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰ کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا اس لئے کہ اس زمانہ

---

[1] دیکھو Three Essays on Religion (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشیاٹک پریس صفحہ ۹۸ نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۲۔ اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا بھی ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا۔ پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع یا عائق نہ ہو تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بے شک خلاف فطرت ہوگا لیکن اگر اس کو بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا کیونکہ مانع موجود ہے۔ معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلہ علل واسباب کا خالق ہے وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے لہٰذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت کیونکہ عمل علت کی شرط تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے۔

[2] اسپنوزا جدید فلسفہ [illegible] Spinosar's Work جلد اول باب ۶ [illegible]

تک معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آ چکا ہے اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلہ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا لہٰذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہو سکتا تھا جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا' انہوں نے حضرت موسیٰؑ کے نبی ہونے کی تصدیق کی۔

البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجائے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں اس لئے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو جس طرح کہ انبیائے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے مثلاً شق قمر' لیکن اصل یہ ہے کہ عمل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کر لی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے۔

کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے۔ یہ نفسی تاثیر و تاثر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی زندگی میں ملتی رہتی ہیں ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے"۔ جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع و اطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے نیک صحبت کے فوائد اور بری صحبت کے مضار کا بھید یہی نامحسوس تاثر ہے جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوتِ تاثیر زبردست ہوتی ہے اسی قدر زیادہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے۔ دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے۔ ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے وہ دوسروں کے دلائل و براہین کا نہیں پڑتا۔ اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں انہوں نے جس درجہ کے امراء و اعیان ملک سے چرخہ کتوالیا ہے اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب' انشاء پرداز اور منطق سینکڑوں ملیں گے لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر' کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا' غرض اثر آفرینی [1] کی یہی قوت ہے جس کو عامل تنویم مشق سے بڑھا کر کرسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے۔

ان واقعات کی بناء پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوت اثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرامؑ کی وہبی و روحانی قوت تاثیر و نفوذ کا مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہوتا ہے اور اس لئے وہ ان سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر سکتے ہیں' عامل تنویم اثر آفرینی کے لئے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک

---

[1] انگریزی میں اثر آفرینی کے لئے Suggestion کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کو تجربات اور مثالوں سے سمجھنے کے لئے انگریزی داں حضرات ڈاکٹر سیڈس کی دلچسپ کتاب "نفسیات اثر آفرینی" The Psychology of Suggestion کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔

محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوت تاثیر کے لئے صرف باطنی ارادہ کافی ہوسکتا ہے اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہوسکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کرلینا ضروری ہے وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب:

اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہوچکی ہے اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت بہر نوع حاصل ہے۔ معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عالم تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گذر چکا ہے کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصل خصائص نبوت و اوصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادہ حد تک مجتمع ہوتے ہیں اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی موثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ ﴿ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ ۔ اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ ۔ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [1]

لیکن اس وسوسہ کا (کہ توجیہ بالا کی بناء پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود کی جگہ محض ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے بلکہ اس کے نزدیک تو یہی

---

[1] متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء اور اولیاء اپنے نفس کی قوت معجز نمائی کو مقاصدِ خیر کے لئے استعمال کرتے ہیں اور ساحر مقاصد شر کے لئے۔ سفینۃ الراغب صفحہ ۱۱۸۔ مولانا حمید الدین فراہی جن سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم قرآن کی سعادت حاصل ہو، وہ بھی لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لئے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے۔ لیکن لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے جیسا کہ عصائے موسیٰؑ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا۔ اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آجاتا ہے۔ باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے؟ یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے جیسا کہ تمام مخفی حقائق میں معلوم ہوتا ہے اور جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے مدمقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔

امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے اور اساطینِ فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ ''عالم تمام حلقہ دام خیال ہے''۔ حقیقی وجود صرف روح' ذہن یا نفس کا ہے باقی دریا، پہاڑ، چاند، سورج، زمین وآسمان جو کچھ دیکھتے ہو یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں، مادہ اور عالم مادی محض ایک ''وہم وگمان'' ہے۔[1] اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجوداتِ خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ ''جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم وگمان ہمارا'' لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں عصائے موسوی اور ثابت ومسلم قمر کا تصور پیدا کیا تھا اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لئے عصا کی جگہ اژدہا اور قمر مسلم کی جگہ شق قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا؟

سائنس جس کا جذبہ مادہ پرستی دلائل سے لاجواب اور خود مادہ کو غیر مادی وغیر جوہری کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں اور اس تار عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھار ہنا ہی پسند کرتا ہے وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ وبو، آواز ومزہ، سردی وگرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے جس کو مادہ نامی کوئی ''نامعلوم شے'' ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں۔ جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں اس کے حقیقی وواقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس وتصور رکھتے ہیں تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی وواقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں۔

ایک اور اعتراض:

یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر وتنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بناء پر پیدا ہوتے تھے لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی یا غیر متغیر قوانین اور علل واسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی ومادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے جس کا ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا، ایک یہ اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے فرض کرو کہ شق قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب واتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزاء کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے کوئی ایسا مادی قانون دفع وافتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے ہوں ان دونوں صورتوں میں شق قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین وعلل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لاسلکی پیام رسانی کے انکشاف سے پہلے اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سیکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا لیکن اب معمولی بات ہے۔

---

[1] مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکل سکتی بحمد اللہ جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں وہ تو اس کی اصل کتاب ''مکالمات برکلی'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں عام لوگ شاید ''فلسفہ برکلے'' اور اس کا فلسفہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں مطبوعہ دار المصنفین۔

بے شبہ اس معنی معجزہ یقیناً اضافی شے ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے اگر اس کا علم قطعی و مختتم طور پر تمام قوانین فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالاباد تک کسی قانون فطرت سے اس کی توجیہ نہ ہونی چاہئے لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمال اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ (دیکھو اپر صفحہ ۱۰۳-۱۰۴)

دوسری صورت:

یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانہ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کے لئے اس ''سنت جاریہ'' میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو یا اس کا منشا براہ راست ارادۂ الٰہی ہو اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو' اسی طرح بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ ہے۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوع معجزہ کے لئے بھی ارادۂ الٰہی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا۔

اس صورت کے مختلف احتمالات:

صورت مداخلت کے ان احتمالات ثلاثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے اس کو مثالوں سے سمجھ لینا چاہئے۔

(۱) عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں تو بلا اتصال جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے اور مداخلت خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی۔ ممکن ہے کہ ''ولادت مسیح'' میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو۔

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں ان میں سے صرف اس حصہ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے تھوڑی دیر کے لئے خدا حذف یا سلب کر لے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے۔

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کئے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادۂ ''کن

فیکون'' سے قمر کو شق اور مسیحؑ کو پیدا کر دیا ہو۔

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجائش نہیں اس لئے کہ تنویم کا عمل اس کے عامل کے علم وارادہ کے تحت ہوتا ہے اور معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے علم وارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا اسی لئے وہ فرمائش وتعدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشکوک اعلان کرتے ہیں کہ ''آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں''۔ ﴿انما الآیات عند اللہ۔ انما الآیات عند ربی﴾ اور رسول اگر ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم واذن سے، خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی ومشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔ ﴿وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ﴾ اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم وارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ اپنے عصاء کو سانپ کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے اور پھر اس کے عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ براہ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ ''ڈرو نہیں! ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے''۔ ﴿لا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی﴾

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی بس احتمالات وتاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت اور انکار وتکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لئے ہیں جو بچوں کی طرح مٹھائی (عقل) کا نام لئے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے اور جن کی عقل عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں۔

ورنہ اصل بحث وتوجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانۂ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بےشعور و بےارادہ مبدء ہے یا اندر باہر انفس وآفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہوتا ہے تمام تر بالذات و براہ راست کسی علم وارادہ والی ذات کی مشیت وقدرت کا ظہور ہے فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لئے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی وکارفرمائی کے مظاہر ہیں اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات، نفس وروح یا انا وایغو سے تعبیر کرتے ہیں باقی مادہ وطبیعت یا مادی وطبعی عوامل وقوانین کی ساری تعبیرات واصطلاحات دفتر بےمعنی ہیں۔

؎ تیرے الفاظ نے کرر کھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنس دانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لئے خصوصاً لائق توجہ ہے یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر جس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل وقوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی وہ خود نئی طبعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے اب ازلی وغیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا وہ اب عملاً برقی توانائی (یا برقیات) میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے کوئی نہیں جانتا۔ یہی نہیں بلکہ مادہ کو کسی معنی میں موجود جاننے کے لئے عام انسانی ذہن و دماغ کے لئے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے لیکن نظریہ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی

چھین لیا۔

''مادہ جو ہماری عام عقل وفہم کے لئے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان ومکان میں اِدھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے تھے۔ اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطہ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زمان ومکان سرے سے تین جداگانہ حقائق ہی نہیں قرار دیئے جاتے ''۔[۱]

ایک عام آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی زمان میں تو پھر'' ہے'' کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا یا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے ہم عامیوں کو سچ پوچھئے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان ومکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان ومکان کے مظروف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو قریباً عدم تک پہنچا دیا ہے۔[۲] اور یہ تو بہر حال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جاسکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے' یعنی وہ مادیت جو کائنات' زندگی اور ذہن سب کا ایک مادی تصور رکھتی تھی [۳] اسی طرح سائنس وریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ

''سائنس دانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب وغریب شے ہوگی جو کبھی خواب وخیال میں بھی نہ آتی تھی ایڈنگٹن نے نظریہ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچ کر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے جو صراحتہً ذہنی (SUBJECTIVE) ہیں۔ اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لئے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود دانی (SELF-KNOWING) شعور کے مسئلہ میں جہاں ''ذہن وخارج'' (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقتاً ایک ہو جاتے ہیں اس کو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا۔'' [۴]

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ہماری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں بلکہ ذہن وشعور کی کارفرمائیاں ہیں اور خالص سائنس دان نہ سہی لیکن سائنس دان فلسفی کی حیثیت سے سر جیمس' جینس' میکس' پلانک' شروڈنگر' آئن سٹائن وغیرہ جیسے رجال سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں جیسا کہ سر جیمس جینس کا صاف اعتراف ہے کہ میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی وبنیادی حقیقت شعور ہے اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے (ماڈرن بلیف ص ۵۲۰)

۱۔ ماڈرن بلیف۔ مقدمہ صفحہ ۱۵۱۔

۲۔ ایضاً صفحہ ۱۴۳۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ ماڈرن بلیف مقدمہ ص ۸۔

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سر چشمہ کائنات کے سوا کیا ہے اور جب ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم وشعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل وقوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے۔[1] عقل و دانش کی بات تو بس وہی اکبرالہ آبادی کی ہے کہ:

تیرے الفاظ نے کرر کھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقین معجزہ کے شرائط:

غرض یقین معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے اس کے بعد اپنے اپنے علم و مذاق کے مطابق تو جیہ معجزات کی جس طرح یہ ''پہلی صورت'' ممکن ہے کہ وہ عام قوانین فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) ''دوسری صورت'' بھی قابل قبول ہے' انگلستان کے مشہور منطقی ولیم اسٹال جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب ''اصول سائنس''[2] کے نام سے لکھی ہے جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ

''اوپر علم سائنس کی حقیقت ونوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کارخانہ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے' جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے وہ میرے نزدیک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے اس قسم کے واقعات ایک معنی میں ہمارے لئے ناقابل تصور کہے جا سکتے ہیں پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابل تصور نہیں ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے''۔

مگر جو شخص اس خالق کائنات قوت ہی کا قطعاً منکر ہو، جو سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا' روح' حشر ونشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام وخرافات) قرار دیتا ہو اور جس کے نزدیک ''معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو' جس کا فنا کر دینا ہی علم وتمدن کی فتح[3] ہوگی''۔ تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی قوت کا آفریدہ ہے یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے اس کے عالم غیب کے ساتھ رابطہ وتعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟

یقین کی اُوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیت نبوت کے یقین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو جس کے بغیر یقین معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو اس کی زندگی ﴿اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو (یہ چیزیں خواہش یقین کے لئے مویدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون وابوجہل کی طرح دل میں خصومت وعناد' خودی وخود بینی' ذاتی اغراض یا ہوا وہوس کے موانع یقین

---

[1] ان مباحث کی کامل وتشفی بخش تفصیل انشاءاللہ فلسفہ اسلام کے ذیل میں بشرط صحت وحیات ملے گی

[2] The Principle of Science حاشیہ طبع آخر ۱۹۱۳ء ص ۷۶۶

[3] دیکھو ہیگل کی کتاب Wonders of Life (عجائب حیات) باب ۳ معجزات۔

نہ موجود ہوں۔

جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کرسکتی بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی۔

میرے ایک دوست جن کا شمار کم ازکم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے آج سے چند برس پہلے مغربی عقل وحکمت کے شدید پرستار تھے اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا اس لئے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور بکسلے وہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقائق مرعی تھے اور اس کا پیش کرنے والا (پیغمبر اسلام علیہ السلام) سکندر، سیزر، سقراط، نپولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا تاہم اگر آیات قرآنی کو بہ حیثیت کلام الٰہی ان کے سامنے تلاوت کیا جاتا یا پیغمبر اسلامؐ کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ ''جواب جاہلاں'' کی باتمکین ''خاموشی'' یا زیادہ سے زیادہ ایک ''خندۂ تحقیر'' کی سزاوار تھی ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں۔

لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک ''صد کتاب وصد ورق درنار کن'' سے زیادہ کا مستحق نہیں ہے قرآن کریم ''دقائق نفسیہ'' کی جگہ ''حقائق الٰہیہ'' کا منبع بن گیا ہے ''سیرت نبویہ'' کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے جو زبان جیمس اور ونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے رطب اللسان رہتی تھی اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگان دین کے مناقب، کشف وکرامات اور مسائل تصوف کے ذکر میں ملتی ہے حتیٰ کہ دوراول کے ''ناصح احباب'' کو اب خود ان پر ''خوش اعتقادی'' کا گمان ہونے لگا ہے۔

اس قلب ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا تو ذکر ہی کیا ملک کی موجودہ تحریک ''ترک موالات'' کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتا ہے انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں [1] ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا۔ میرے یہ دوست بھی اس کو تائید غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے میں نے کہا ''کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں''۔ کہا ''اس سے کیا ہوتا ہے خدا نے اسی وساطت سے تائید کی ہوگی''۔

شرائط یقین وغایت معجزات کے مقدمات بالا کو سامنے رکھ کر اب ذرا ریگستان عرب کے اس امی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو، جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہ صفا پر کھڑے ہو کر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا۔

اسی قدسی صفات انسان کی امانت ودیانت نے ہم وطنوں کی طرف سے اس کے لئے امین کا لقب حاصل کیا تھا اس کی راست گوئی دوست ودشمن سب کو یکساں تسلیم تھی، حضرت خدیجہؓ جن کو پچیس برس تک آپ ﷺ کی زوجیت کا

---

[1] یہ تحریر گذشتہ سوالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی اس وقت اس طرح کی بہت سی کرامتیں بانی ترک موالات کی زندگی اور اوصاف سے متعلق ملک میں پھیلی تھیں۔

شرف حاصل رہا وہ ایک موقع پر آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ "ہرگز نہیں خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا آپ صلہ رحم کرتے ہیں مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں غریبوں کی اعانت کرتے ہیں مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں"۔

اس اپنے پرائے کے غم خوار کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے اس دعوت سے باز رکھنے میں روسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انہوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا"۔ جس کا جواب ﴿اولوا العزم من الرسل﴾ کی زبان سے فقط یہ ملا کہ "چچا جان اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا" نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا لیکن کیا اس کامیابی سے داعی حق ﷺ نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا ہے؟

مسجد نبوی کے صحن میں آپ ﷺ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے۔ کاشانہ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا۔ کئی کئی دن تک فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے۔ گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند لگاتے، گھر میں خود جھاڑو دیتے' دودھ دوہ لیتے' بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے' اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے، اس کو چارہ دیتے' غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے۔ حضرت فاطمہ "آپ ﷺ کی محبوب ترین اولاد تھیں جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے' بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے لیکن بایں ہمہ جب انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لئے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ ﷺ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے۔

اتنا ہی نہیں کہ آپ ﷺ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے گالیاں دیتے تھے گو "رحمۃ للعالمین" کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لئے اٹھتا تھا' اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے، راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے نماز پڑھتے میں' جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے ایک دفعہ آپ ﷺ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق' نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا۔

کیوں؟ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان' ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آ کر ابو طالب سمجھاتے ہیں کہ "جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو"۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ "عم محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے۔ حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم و عرب ایک دن اس کے ساتھ

ہوگا''۔ کفار قریش بد نیتی (قتل) کے ساتھ آپ ﷺ کے تعاقب میں نکلے ہیں' غار ثور جس میں آپ مخفی ہیں اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ ﴿رفیق فی الغار﴾ (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ ''یارسول اللہ دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ﴿لَا تَحزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا﴾ (غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے) ایک موقع پر آپ ﷺ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا چپکے سے آیا اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ﷺ ہشیار ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے جس نے پوچھا کہ ''اے محمد اب تم کو کون بچا سکتا ہے؟'' ایک پر اطمینان صدا آئی کہ ''اللہ''

کیا تشنگان ایمان کے لئے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا؟ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام پکار اٹھے کہ ﴿لیس ھذا بوجه کذاب﴾ (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)۔

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے اور اگر چہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خدوخال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا تاہم ''سیرۃ النبی'' کے گذشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو نا تمام مرقع کھینچ سکا ہے اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر ﴿اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ﴾ کی اس ''جامعیت کبریٰ'' کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے اور نہ پیش کیا ہے کیا جا سکتا ہے۔

ایسی اعجاز مجسم جامع ہستی کے متعلق جو صاحب شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی' بادشاہ کشور کشا بھی ہو اور گدائے بےنوا بھی' فرمانروائے جہاں بھی ہو اور سبحہ گرداں بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی، جس کی زبان ہمہ وقت ذکر الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو، جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں۔ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اس شخص کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی﴾ یا جس کے قلب کو ابوجہل وابولہب کی طرح کفر وعناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ جواب یہ مل سکتا ہے کہ ﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بناء پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا اور جن کے لئے ''روئے وآواز پیمبر'' ہی اصل معجزہ تھا گو آج ظاہری روئے وآواز ہم سے مستور ہے لیکن معنوی آواز قرآن اور حقیقی ''روئے پیمبر'' سیرت طیبہ ابد الآباد تک ذوق ایمان رکھنے والوں کے لئے معجزہ نمائی کرتی رہے گی۔ ﷺ

لُبِّ لُباب

گزشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے کہ

(۱) معجزہ نام ہے پیغمبرانہ اوصاف و مکارم اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل واسباب سے توجیہ نہ ہو سکے۔

(۲) ایسے واقعات بذات خود عقلاً ناممکن نہیں ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ''انتہائی حیرت انگیز'' یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے اس لئے بظاہر ان کو قبول کرنے کے لئے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے۔

(۳) لیکن دراصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کے لئے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا یقین معجزات کے لئے بھی معمولی درجہ کی قابل اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے۔

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس کا دارومدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اس کے موانع و مویدات پر ہے جس کا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گذشتہ معتقدات و مزعومات سے ہوتا ہے۔

(۵) یقین معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے ایمان بالغیب پر۔

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون وابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں تو ساتھ ہی ساتھ انبیاء کی نبوت کی زندگی اپنے احوال واخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اس کی نبوت کی موید ہے تو معجزہ (بمعنی خارق عادت) کا کیا ذکر ہے، خود پیغمبر کی آواز وصورت ہی معجزہ ہے۔

در دلِ ہر کس کہ دانش را مزہ است
روئے و آوازِ پیمبر معجزہ است

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ والسلام علی سیدالمرسلین وعلی الہ وا صحبہ اجمعین ﴾

خدا کا شکر ہے کہ اس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرت پاک کی تیسری جلد کی تکمیل و انجام کا سامان بہم پہنچایا اور ایک گنہگار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دے کر اپنے سیاہ اعمال نامہ کے دھونے کے لئے آب رحمت کے چند قطرے فراہم کر سکے' دوسری جلد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی' چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے اس مجموعہ کی تالیف و ترتیب' واقعات کی تفتیش و تلاش' اور مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق میں جو محنت و کاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے' اس کا بڑا صلہ یہی ہے کہ صواب کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو ﴿ والعصمة للہ وحدہ ﴾

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا' مشکلات اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے' رفیق کار مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے' ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر مولانا عبدالباری ندوی (معلم فلسفہ جدیدہ' جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) سے بڑھ کر فلسفہ جدیدہ کا کوئی ماہر نہیں' معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفہ جدیدہ کی جو موشگافیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں' ان سے بھی تعرض کیا جائے چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفہ جدیدہ کا باب لکھ کر عنایت کیا ہے' جو اس کتاب کے ص ۱۷۱ سے شروع ہو کر ص ۳۱۰ پر تمام ہوا ہے۔

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی' ابویعلی' ابن راہویہ' ابن ابی شیبہ' بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائیداً ملیں گے' ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے مفسرین' شارحین حدیث اور مصنفین سیرت مثلاً ابن کثیر' ابن حجر' ابن قیم' سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف یہ ہے کہ قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں اس نوع کے معجزات کی دوسری تائیدیں بھی گو اس رتبہ کی نہیں مگر موجود ہیں

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں' جن کی آخر میں غلط نامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے

اس راہ کی ایک منزل آج اور تمام ہوئی' لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے' احباب دعا کریں کہ یہ جلد چہارم ان کی خدمت میں جلد پیش ہو سکے۔

سید سلیمان ندوی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

حسین کمپوزنگ، نادر و نایاب قد
تصویروں کے ساتھ پہلی بار تصحیح شدہ جدید ا

اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(حصہ سوم)